# سُورَةُ النَّازِعَاتِ

## عربی متن — بامحاورۃ اُردو ترجمہ و تفسیر

اِفادات

الحافِظ علامہ نُورالدین

مدیر

عَبدالمنان عُمر – امتہ الرحمٰن عُمر

# سُورَۃُ النَّازِعَاتِ ﴿۷۹﴾ - مَكِّيَّةٌ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اللہ کا نام لے کر جو بے حد رحمت والا، بار بار رحم کرنے والا ہے

(میں سورۃ النَّازِعَاتِ پڑھنا شروع کرتا ہوں)

خلاصہ مضمون: پچھلی سورۃ میں مسلمانوں کے غلبہ اور ترقی کی پیشگوئی کی گئی تھی اس میں بتایا ہے کہ وہ ترقی اور غلبہ کس طرح حاصل ہوگا۔ کفار نادانی سے مسلمانوں کو جنگوں کی طرف کھینچ کر لے آئیں گے اور یہی جنگیں مسلمانوں کے غلبہ کا موجب بن جائیں گی۔ پھر اس میں پانچ اسباب ترقی، منازل سلوک بیان ہوئے ہیں۔ صحابہؓ کے یہ روحانی مراتب اور صفات ان کے غلبہ کا باعث ہوں گی اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں کو محمد رسول اللہ ﷺ اور بعث بعد الموت کو مستعبد سمجھنے والوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ پھر اس میں صحابہؓ کے فضائل کا بھی ذکر ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ﴿۱﴾

۱۔ گواہ ہیں (کسی کام میں) انتہائی کوشش صرف کر کے زور سے نکال لینے والی۔

**۷۹:۱۔ النَّازِعَاتِ:** نزع کے معنی اُس کی قرارگاہ سے کھینچنے کے ہیں۔ اور کبھی یہ لفظ اعراض کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور محبت یا عداوت کو دل سے کھینچ لینے کو بھی نزع کہا جاتا ہے (مفردات)۔ مطلع سورت کی یہ پانچ آیتیں اس بات کا اظہار کر رہی ہیں کہ دینی امور ہوں یا دنیوی ان کے انتہائے کمال پر پہنچنے کے لیے یہ پانچ مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ اول

النّٰزِعٰتِ کام سے ہٹانے والی چیزوں سے الگ ہو کر انسان اپنے کام میں محو و مستغرق ہو جائے اور اسے کمال تک پہنچادے اور دوسرے علائق سے اپنے آپ کو کھینچ کر نکال لے۔

**غَرْقًا:** یہاں غَرْق بمعنی اغراق ہے۔ یعنی ایک امر کمال کو پہنچا اور اُس کے انجام کو پہنچا (لسان العرب)۔

وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا ﴿۲﴾

۲۔ اور خوشی سے آگے چلنے والی۔

**۷۹:۲۔ النّٰشِطٰتِ:** دوم۔ النّٰشِطٰتِ پورے زور سے اپنے کام کو کرنا چاہیئے جیسے کہ وہ اس کے لیے سہل ہے اور کسی سے ڈر کر نہیں۔ نشطات سے مراد عمل کے لئیے اپنے نفس کو طیب بنانا اور خوشی سے ایک کام کو کرنا۔ انشطُ کے اسل معنی گرہ کھولنے کے ہیں اور نشطً کے لفظ سے مراد آسانی اور سہولت سے کھلنے والی گرہ کے ہیں (مفردات)۔

وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا ﴿۳﴾

۳۔ اور مہارت سے شغل میں لگ جانے والی،

**۷۹:۳۔ وَالسَّابِحَاتِ:** سوم۔ السّٰبِحٰتِ اپنے کام میں اس طرح مشق و ریاضت کرے جس طرح پیراک پانی میں تیرتا ہے اور اسے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ ہر قسم کی روکیں دور کرے، کیونکہ سبحِ کے معنی عمل میں تیزی سے گزرنا ہیں۔

فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا ﴿۴﴾

۴۔ پھر سبقت کرتی ہوئی آگے نکل جانے والی،

**۷۹:۴۔ السّٰبِقَاتِ :** چہارم۔ دیکھے کہ اس کام میں کون آگے بڑھا ہوا ہے اور اپنی جماعت اور ہم عمر اور ہم پیشہ لوگوں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے اور کمالات کی طرف سبقت کرے۔

فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ﴿۵﴾

۵۔ پھر ہر قسم کے معاملات کا انتظام کرنے والی (ہستیاں کہ روزِ جزا آنے والا ہے)۔

**۷۹:۵۔ الْمُدَبِّرَاتِ :** مُدَبِّرَاتِ سے مراد امورِ جنگ و امورِ ملکی اور کمالات روحانی کو حاصل کرنے کی تدبیر اور انتظام کرنے والے۔ پنجم ۔ اپنے کام میں ایسا کمال حاصل کرے کہ خود اس میں موجد کا مقام حاصل کرلے۔ پھر ان پانچ آیات میں یہ بھی بتایا ہے کہ وقت آتا ہے کہ جب مسلمان کفار کی جنگوں کا جنگوں سے جواب دینے پر مجبور ہو جائیں گے، کیونکہ النّٰزِعٰتِ کے معنی کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑ دینے والی، مغلوب کر دینے والی، حکام وقت کو معزول کر دینے والی اور تیر انداز اور نیزہ زن جماعتوں کے بھی ہیں۔ عرب میں محاورہ ہے :نَزَعَ فِی القَوسِ فَاَغرَق یعنی کمان کو پوری قوت اور طاقت سے کھینچا۔ عطا بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ اس سے کمانیں مراد ہیں جو جہاد میں کھینچی جاتی ہیں (ابن کثیرؒ)۔اسی طرح السّٰبِحٰتِ کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ جہاد کے گھوڑے ہیں جو راہِ حق میں تیزی سے رواں ہوتے ہیں (ابن کثیرؒ) اور عطاءؒ نے السّٰبِقٰتِ ان گھوڑوں کو قرار دیا ہے جو راہ الٰہی میں جہاد کرنے والوں کے پیچھے سبقت کرتے ہیں۔

پھر یہ سالک کے مدارج خمسہ بھی ہیں۔ ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ نزعت وہ نفوسِ مشتاقہ ہیں جو سب سے جدا ہو کر جناب قدس کی جانب بحر شوق و محبت میں غرق ہیں۔ النّٰشِطٰتِ جو مقام نفس سے اور گرفتاری طبیعت سے خارج ہو گئیں اور مادیت کے سمندروں سے جدا ہو گئیں اور اللہ سے تعلق پکڑ لیا۔ نشط جبکہ اس کا مصدر نشطا ہو تو اس کے معنی ہیں گرہ کو خوب مضبوطی سے باندھ دیا یا آسانی سے کھول دیا۔ بئر انشاط اس کم گہرے کنوئیں کو کہتے

ہیں جس میں پانی کا ڈول ایک ہی جھٹکے سے باہر آجائے۔ ثورٌ ناشطٌ ایک علاقہ سے نکل کر دوسرے علاقہ میں جانے والے بیل۔ تیروں سے چھیدنا۔ نشط زیدًا کے معنی ہیں اس نے زید کو تیروں کی زد میں لا کر چھید ڈالا۔ خوب محنت اور کوشش سے کسی کام کو سرانجام دینا (تاج)۔ السّٰبِحٰتِ جو دریائے صفات میں پیرتی ہیں۔ السّٰبِقٰتِ وہاں سے عینِ ذات کی جانب سبقت کرتی ہیں اور مقامِ وحدت میں فنا ہوتی ہیں۔ الْمُدَبِّرٰتِ رجوع کی حالت میں ان سے دعوت حق و ہدایت کی تدبیر متعلق ہوتی ہے اور جب خودی سے فنا ہو جاتی ہیں تو بقائے حق کے ساتھ رجوع کر کے مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی جانب وعظ و نصیحت کی دعوت وارشاد کرتی ہیں۔ گویا پہلے اور دوسرے درجے میں مجاہدہ اور راہ سلوک میں موانعات کے دور کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے جس میں نفس کے خلاف جنگ کرنا پڑتی ہے اور مجاہدات شاقہ برداشت کرنا پڑتے ہیں اور موانعات سے بزور کھینچ کر انسان اپنے آپ کو باہر لے آتا ہے۔ تیسرا درجہ وہ ہے جسے صوفیا سیر احوال و مقامات کہتے ہیں۔ چوتھا درجہ طیران و عروج کا ہے۔ پانچواں اور آخری درجہ مقام محمود کا ہے۔ جب سالک اپنے نفس کے تصفیہ کے بعد دوسروں پر اثر انداز ہونے لگتا ہے۔ اسے صوفیا رجوع، نزول اور دعوت خلق الی الحق کہتے ہیں۔ اسی کا نام تدلی ہے۔ یہ منازل سلوک کا انتہائی نقطہ ہے۔

ملائکۃ اللہ کی خدمات بھی ان آیتوں سے مراد لی گئی ہیں۔ چنانچہ ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، مسروقؒ، ابن جبیرؒ اور سُدّیؒ نے ان سے یہ مراد لی ہے۔ یعنی یہ آیت اپنے عموم پر دلالت کر کے ملائکۃ اللہ کے ہم رنگ و ہم سبق ہونے کی انسانوں کو تعلیم دیتی ہیں، اور ساتھ ہی جزا و سزا کے مسئلہ کو جو مقصود بالذات ہے ثابت کر رہی ہیں۔ سچ ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ، دنیا ایک کھیت ہے۔ اس زراعت کے کاٹنے کا جو وقت ہے اسی کا نام آخرت اور یوم قیامت ہے۔ پھر ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام کرنے والے اور تبلیغی جماعتوں کا بھی ذکر ہے جو پوری تندہی سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مصروف عمل ہو جاتی ہیں، اپنے گھروں سے نکل کھڑی ہوتی

ہیں تاکہ مہارت حاصل کریں اور پھر اس کام میں لگ جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جاتی ہیں اور ہر قسم کے معاملات سرانجام دیتی ہیں۔ پھر ان میں صحابہ کرام کی پانچ صفات حسنہ کا بھی ذکر ہے کہ کس طرح انہوں نے اسلامی تعلیمات کی حفاظت اور اسے اکناف عالم میں پھیلانے کے لیے جدوجہد کی۔ اور کاروبار حکومت کو اعلیٰ درجہ کی دانش، لیاقت، خلوص اور حسن تدبیر سے سرانجام دیا۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾

۶۔اس دن لرزنے والی (زمین) لرز اُٹھے گی۔

**۷۹:۶۔الرَّاجِفَةُ :** رجف کے معنی ہیں کانپنا، جنگی تیاریاں اور اضطرابِ شدید کو کہتے ہیں۔ زلزلے ہمیشہ آتے رہیں گے، ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے اور جنگیں بھی ہوں گی جن سے بڑا انقلاب آئے گا اور یہ قیامت کے موقعہ کے مصائب بھی ہیں۔ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ الرَّاجِفَةُ زلزلہ ہے۔ ابن زیدؒ سے مروی ہے کہ الرَّاجِفَةُ زمین ہے اور الرَّادِفَةُ قیامت (ابن کثیرؒ)۔ یہ قرآنی بلاغت کی انتہا ہے کہ الفاظ ایسے استعمال فرمائے ہیں جو قیامت اور اس دنیا کے مصائب زلازل اور جنگوں سب پر صادق آتے ہیں اور قیامت صغریٰ اور کبریٰ، اس دنیا کی روحانی اور آخرت کی ظاہری قیامت پر حاوی ہیں۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ﴿٨﴾ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾

۷۔اس کے بعد لگاتار زلزلے آئیں گے۔

۸۔بہت سے دل اس دن دہشت سے کانپ رہے ہوں گے۔

۹۔ان کی نظریں (ندامت سے) جھکی ہوئی ہونگی۔

**۷۹:۷۔ تَتْبَعُهَا:** حدیث میں ہے کہ اشراط عظام قبل قیامت جب شروع ہو جائیں گی تو ایسی لگاتار ظاہر ہوں گی جیسے تسبیح کا تاگا ٹوٹ جانے سے تسبیح کے دانے متنابع یکے بعد دیگرے گرتے لگتے ہیں۔ پھر اس میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ کفار جب ایک دفعہ صحابہؓ سے جنگ کریں گے تو وہ مسلسل چلتی جائے گی تا آنکہ کفر کی کامل ہزیمت ہو جائے۔

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾

أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً ﴿۱۱﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾

۱۰۔(یہ وہ لوگ ہوں گے) جو کہتے ہیں: کیا ہم (مرنے کے بعد اپنے)
نقشِ قدم پر لوٹائے جائیں گے۔

۱۱۔کیا (وہ بھی اس حالت میں) جب ہم کھوکھلی ہڈیاں بن چکے ہوں گے۔

۱۲۔(جو کہتے ہیں اگر ایسا ہوا) تو یہ واپسی بڑے نقصان کا موجب ہو گی۔

۱۳۔(سنو! وہ جو بھی کہیں) وہ تو صرف ایک ڈانٹ ہو گی۔

**۷۹:۱۰۔** یہ ایک مثل ہے اور یہ اُس شخص کے حق میں بولتے ہیں جو جدھر سے آئے اُسی طرف لوٹا دیا جائے۔اُن کا مطلب یہ تھا کہ کیا ہم مرنے کے بعد پھر زندہ ہونگے (مفردات)۔

فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

۱۴۔اور (اس کے بعد) وہ سب ایک میدان میں ہوں گے۔

**۷۹:۱۴۔ السَّاھِرَۃِ :** ۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ السَّاھرَۃِ روئے زمین ہے، یہی ابن جبیرؒ، قتادہؒ، عکرمہؒ اور حسن بصریؒ کا قول ہے۔ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں السَّاھرَۃِ زمینِ شام ہے (ابن کثیرؒ)۔ میدانِ حشر، میدانِ جنگ، میدانِ بدر بھی اس کا مصداق ہیں ساھرۃ کے معنی بیداری کے بھی ہیں (لسان)۔ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ دنیا میں ایک عام بیداری پیدا ہو گی۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿١٥﴾

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿١٧﴾

فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾

۱۵۔مجھے موسیٰؑ کی بات پہنچ چکی ہے۔

۱۶۔جب اُس کے رب نے اُسے وادئ مقدس طویٰ میں پکارا تھا۔

۱۷۔(اور کہا تھا:) فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ حد سے نکل گیا ہے۔

۱۸۔اور اُسے کہو: کیا تم پاک وصاف ہونا چاہتے ہو۔

۱۹۔اور (کیا) میں تمہیں تمہارے رب کی طرف (جانے والا) راستہ دکھاؤں کہ تمہارے دل میں (اس کی) خشیت پیدا ہو۔

**۷۹:۱۵۔ هَلْ أَتَاكَ:** بڑی ہی نرمی اور ملائمت سے تبلیغ شروع کرنے کی تعلیم فرماتی ہے۔ دوسری جگہ فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا (طٰہٰ، ۴۴:۲۰) فرمایا ہے کہ فرعون کے ساتھ ملاطفت اور نرمی سے کلام کرنا۔

فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿۲۰﴾

فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ﴿۲۲﴾

فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿۲۴﴾

فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ﴿۲۵﴾

۲۰۔ چنانچہ (موسیٰؑ نے) اسے ایک بڑا نشان دکھایا۔

۲۱۔ مگر اس نے تکذیب کی اور نافرمانی سے کام لیا۔

۲۲۔ پھر اس نے (مقابلے کیلئے) کوشش کرتے ہوئے (صداقت سے) پیٹھ پھیر لی۔

۲۳۔ چنانچہ اس نے (لوگوں کو) جمع کیا اور منادی کی۔

۲۴۔ اور (لوگوں سے) کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

۲۵۔ اس پر اللہ نے اسے آخرت اور دنیا (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔

**۷۹:۲۰۔ الْاٰیَۃَ الْکُبْرٰی:** یہ عصا کا معجزہ تھا جس کے تابع پہلے اظہار کے وقت ید بیضا بھی تھا۔ اس لیے ایک ہی چیز کا ذکر فرمایا، ورنہ دوسری جگہ فرمایا ہے: وَ لَقَدْ اَرَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا کُلَّھَا (طٰہٰ، ۵۶:۲۰) پچھلی باتوں کی توثیق کے لیے مثال طور پر موسیٰؑ کے واقعات کا ذکر کیا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ جس شخص کے دل میں در حقیقت (اللہ کی) خشیت ہے اس کیلئے اس (واقعہ) میں عبرت کا سامان موجود ہے۔

**۷۹:۲۶۔ لَعِبْرَةً:** آیت میں اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ موسیٰؑ کے بیان میں مثیل موسیٰؑ کے مخاطبوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ عبرت کہتے ہیں ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف لے جانے کو۔ مَعبَر کشتی ہے، اس لیے کہ ایک طرف سے دوسری طرف عبور کرنے کا ذریعہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی کامیابیوں کو موسیٰؑ کی کامیابیوں کے شیشے میں دکھایا ہے۔ یہی معنی خطیبؒ اور رازیؒ اور بیضاویؒ نے کیے ہیں۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ﴿٢٧﴾

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ﴿٢٨﴾ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ﴿٢٩﴾

۲۷۔ کیا تمہاری (دوبارہ) تخلیق زیادہ دشوار ہے یا آسمان (کے نظام) کی جسے اس (خدائے عظیم) نے بنایا ہے۔

۲۸۔ اس کی بلندی کو اُونچا کیا اور اُسے بے عیب بنایا اور اس کا توازن قائم کیا،

۲۹۔ اس کی رات تاریک بنائی اور اس کی دوپہر عیاں کی،

**۷۹:۲۷۔ اَشَدُّ خَلْقًا:** آسمان کی مضبوط تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی سطوت و قدرت کے اظہار کے لیے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کامیابیوں اور بعث بعد الموت کو مستبعد سمجھنے والوں کے سامنے بطور دلیل پیش کیا ہے۔

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ﴿۳۰﴾

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿۳۱﴾

وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

۳۰۔اور اس کے ساتھ زمین اس کے مقر سے دور پھینک دی،

۳۱۔اسی سے اس کا آب و گیاہ نکالا۔

۳۲۔اور پہاڑوں کو مضبوط بنایا۔

۳۳۔(یہ سب) خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کیلئے سامانِ زیست ہے۔

**۷۹:۳۰۔ دَحٰاھا:** دَحو سے مطلق بسط اور پھیلانا ہی مراد نہیں بلکہ نباتات کا اگانا، چشموں کا جاری کرنا وغیرہ بھی اس میں شامل ہے جیسا کہ اگلی آیت میں وضاحت موجود ہے، اور یہ بے شک بعد پیدائش آسمان کے ہوا ہے۔ یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں مخفی رکھی تھیں وہ آسمان کی پیدائش کے بعد ممکن قوت سے حیّزِ فعل میں آئیں یہی زمین کا دَحو ہے۔ سُورۃ فُصِّلَت میں زمین کی پیدائش کے بعد ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ (۴۱:۱۱) کے الفاظ ہیں۔ پس ان دونوں بیانوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ سورۃ فُصِّلَت میں ثُمَّ کا لفظ تاخیر و ترتیب کے لیے نہیں بلکہ وہاں صرف نعمتوں کا شمار مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ جیسا تورات کی نسبت فرمایا: ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ (الانعام، ۶:۱۵۴) اور یہاں اول بنائے آسمان اور پھر دحوِ ارض کا ذکر ہے۔ ابن عباسؓ، ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے یہ

توضیح کی ہے۔امام راغبؒ نے مفردات میں لکھا ہے کہ دحو کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کی جگہ سے زائل کر دینا۔ از الھا من مقر ھا اور اس کے معنی پھینکنے کے بھی ہیں (لسان)۔ گویا اس میں اس مضمون پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ یہ زمین کس طرح بنی کہ یہ زمین کسی بڑے جرم سماوی کا حصہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا اور اس نے اسے پھینک دیا۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ﴿٣٧﴾

وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٣٩﴾

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾

فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ﴿٤٢﴾

فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا ﴿٤٣﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا ﴿٤٤﴾

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ﴿٤٥﴾

۳۴۔ سو جب وہ گھمسان کا رن پڑے گا۔

۳۵۔اس دن انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا۔

۳۶۔اور دیکھنے والوں کیلئے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔

۳۷۔ پس جس نے سرکشی اختیار کی،

۳۸۔اور دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) مقدم کیا،

۳۹۔ تو (اسے یاد رکھنا چاہیے کہ) دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔

۴۰۔اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا
اور اپنے نفس کو گری ہوئی خواہش سے روکتا رہا۔
۴۱۔تو جنت ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔
۴۲۔لوگ تم سے اس گھڑی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔
۴۳۔یہ (سوال) کس لئے ہے خود تم ہی تو اس کی یاد دلانے والے ہو۔
۴۴۔اس کا انجام تمہارے رب کی طرف سے (مقرر) ہے۔
۴۵۔جس شخص کے دل میں اس (خدائے قدوس) کی خشیت ہے
تم صرف اسے متنبہ کر سکتے ہو۔

**۷۹:۳۴۔الطَّآمَّۃُ:** بڑا گھمسان، گھوڑا چلنے اور دوڑنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دے تو اس وقت طَمَّ الفَرس بولتے ہیں۔ اور طامۃ ہر وہ مصیبت جو غالب آ جائے۔ طامۃ قیامت کا نام بھی ہے (مفردات؛ لسان العرب)۔ اس میں مصائب دنیوی و اخروی کی طرف اشارہ ہے۔

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿٤٦﴾

۴۶۔جس دن وہ اس (گھڑی) کو دیکھیں گے (تو انہیں یوں محسوس ہوگا کہ)
گویا وہ صرف ایک شام یا اس کی صبح ہی (دنیا و قبر میں) رہے تھے۔

**۷۹:۴۶۔لَمْ يَلْبَثُوٓا:** آریہ لوگ نادانی سے اعتراض کرتے ہیں کیونکہ انہیں حقائق معاد سے بالکل ناآشنائی ہے کہ انسان کے جزا دینے میں اس قدر دیر لگانا، اسے حوالات میں رکھنا، اسے آخرت پر اٹھا رکھنا انصاف کے منافی ہے۔ اس سوال کے جواب میں اول تو یہ کہنا کافی ہے کہ

اسلام کی حقیقت سے اگر وہ واقف ہوتے تو ایسا اعتراض نہ کرتے۔ یوم کا لفظ ہر آن پر بھی بولا جاتا ہے اور اعمال کی جزا و سزا اس وقت سے شروع ہو جاتی ہے جب کوئی عمل حیز فعل میں آتا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: من مات فقد قامت قیامتہ، کہ مرنے کے ساتھ ہی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ پھر خود اس سورۃ میں اس کا جواب موجود ہے کہ برزخ اور قبر کا زمانہ ایسا ہو گا کہ گویا پل بھر ٹھہرے ہیں۔ یہ اعتراض تو آریوں پر ہوتا ہے کہ کیوں اعمال کی جزا کو دوسرے جنم تک ملتوی کیا جاتا ہے۔ پھر دوسرے جنم میں جو بھوگ جونی کہلاتا ہے پہلے جنم کے اعمال و افعال کا کچھ بھی شعور نہیں رہتا اور نہ پہلا تشخص قائم رہتا ہے۔ پھر مہاپرلے کے وقت جو خلق فنا ہوتی ہے ان کی جزا و سزا کو اگلی دنیا تک جسے آریہ آٹھ ارب برس کا زمانہ کہتے ہیں لٹکائے رکھنا کس اصول دیانت و انصاف پر مبنی ہے۔